ہمارا سلسلہ یا برادری

(باہم اندرونی اختلافات ومحرکات کا تجزیہ)

از

پروفیسر ڈاکٹر محمد فائق صدیقی قادری بدایونی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

راقم کا خیال ہے کہ یہ اس کی آخری تحریر ہے جو یکم جنوری ۲۰۱۴ء مطابق ۲۸ ؍صفر ۱۴۳۵ھ مکمل ہوئی ہے۔

۲۰۱۴ء

کے اعداد کی معنویت سمجھی جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ:۔

”اللہ ستار و غفار“

۲۰۱۴ = ۱۲۸۱ + ۶ + ۶۶۱ + ۶۶

(شاید اس تاریخ کو راقم سے نسبت رہے)

تنبیہ

زیر نظر کمپیوٹر کاپی عام مطالعہ کے لیئے نہیں ہے اس کا چھپوانا، نقل یا فوٹو اسٹیٹ کروانا منع ہے۔ ۲۰۶۴ء سے قبل ایسا کرنے والا دنیا و آخرت میں قابل گرفت ہوگا۔

ہمارا سلسلہ یا برادری

(باہم اندرونی اختلافات ومحرکات کا تجزیہ)

از

پروفیسر ڈاکٹر محمد فائق صدیقی قادری بدایونی

بھری بزم میں راز کی بات کہہ کر
خطا کررہا ہوں عطا چاہتا ہوں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

راقم کا خیال ہے کہ یہ اس کی آخری تحریر ہے جو یکم جنوری ۲۰۱۴ء مطابق ۲۸ رصفر ۱۴۳۵ھ مکمل ہوئی ہے۔

۲۰۱۴ء

کے اعداد کی معنویت سمجھی جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ:۔

"اللہ ستار و غفار"

۲۰۱۴ = ۱۲۸۱ + ۶ + ۶۶۱ + ۶۶

(شاید اس تاریخ کو راقم سے نسبت رہے)

تنبیہ

زیر نظر کمپیوٹر کاپی عام مطالعہ کے لیئے نہیں ہے اس کا چھپوانا، نقل یا فوٹو اسٹیٹ کروانا منع ہے۔ ۲۰۶۴ء سے قبل ایسا کرنے والا دنیا و آخرت میں قابل گرفت ہوگا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضور اکرمؐ کی امت واحدہ جب ۷۲ فرقوں میں بٹ گئی تو کونسی خیر کی تنظیم ایسی ہوسکتی ہے جس میں داخلی اختلافات نہ ہوں۔ تاریخ گواہ ہے کہ آغاز خلافت راشدہ سے ہی خصوصاً دور فاروقی کے بعد جو باہمی اختلاف رائے پیدا ہوا اس نے بالآخر جنگ جمل کی شکل اختیار کر کے باہم پچاس ہزار مسلمانوں کے قتل کی داستان مرتب کردی اور یہی اختلاف بالآخر کربلا کے دردانگیز واقعہ پر منتج ہوکر بنو سادات، بنوامیہ اور بنوعباس کے دور تک جاری رہا اور آج بھی ہر چند کہ درمیان میں تلوار حائل نہیں مگر فرقہ بندیاں مستحکم ہوچکی ہیں۔

بحمد اللہ ابا جی کے سلسلہ کے باہم اختلافات نے ویسی شدت تو اختیار نہیں کی لیکن سلسلہ مختلف حلقوں میں تقسیم ضرور ہوگیا اور آج صورت احوال یہ ہے کہ مختلف حلقوں کے نوّے فیصد سے زاید لوگ وجہ اختلاف سے واقفیت نہ رکھنے کے باوجود اختلاف رکھتے ہیں۔ پچھلے پچاس سال میں سلسلہ چھ سات حلقوں میں تقسیم ہو چکا ہے۔ سیدہ ماں جیؒ کی حیات ظاہر تک تو کسی کو اظہار اختلاف کی جرأت نہ ہوسکی اور قادری منزل کو بغیر اختلاف مرکز کی حیثیت حاصل رہی۔ سیّدی قادر بھائی جان کی اصول پسندی اور غیر جانب دار رویّہ کا یہ اثر آج بھی ہے کہ کسی کو قادری منزل کی اہمیت اور اس کی مرکزی سربراہی سے اختلاف یا مخاصمت کی جرأت تو نہیں ہے مگر قادری منزل سے وابستگی کمزور بلکہ بعض حلقوں میں ختم ہوچکی ہے۔

راقم نے وہ دور بھی دیکھا ہے جب قادری منزل ہر غلام کا قبلہ محسوس ہوتی

تھی اور آج ایسے غلاموں کی اکثریت ہے جن کو قادری منزل حاضر ہونے کی بھی توفیق نہیں۔ قادری منزل کے رابطے سے قطع نظر بعض خود پسند حلقے ایسے بھی ہیں جو اپنے حلقہ اور طور طریقوں کے علاوہ دوسرے حلقے کے غلاموں کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔

اس طرح ابّا جیؒ کے کرم کو محدود کرنا نفوس پر شیطانی تسلط کے غلبہ کا اثر ہے۔ ایسے تصورات رکھنا لوگوں کی اپنی بدبختی ہے ورنہ ابّا جیؒ نے تو یہ برادری بنائی تھی کہ داخلِ سلسلہ سارے لوگ ایک دوسرے کو حقیقی بھائی کی طرح سمجھ کر باہم محبت واحترام کے ساتھ سرکارؒ سے طالب کرم رہیں۔

راقم کو ہر چند کہ نوافل داخلہ سیّد باسط علی جعفریؒ کے در پردہ ایما اور پروفیسر مرتضیٰ شفیعؒ کی شفارش ظاہرہ پر اعلیٰ حضرت نظام الدین قادریؒ نے پڑھائی تھیں جو ابّا جیؒ کے محبوب تھے اور ہیں۔۔۔۔ آٹھ سال بعد راقم کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ سید شبیر علی قادریؒ نے بھی راقم کو نوافل داخلہ کی تجدید فرمائی۔۔۔ سید شبیر علی قادریؒ کی ذات وہ عظیم ہستی ہے جن کے نوافل داخلہ پڑھانے سے ہی سید باسط علی جعفریؒ اور اعلیٰ حضرت نظام الدین قادریؒ بھی داخل سلسلہ ہوئے تھے اور یہ دونوں حضرات قادری صاحبؒ سے ایسی قربت رکھتے تھے کہ قادری صاحبؒ، باسط صاحبؒ کو اپنا دایاں اور نظام الدین صاحبؒ کو اپنا بایاں ہاتھ کہتے تھے قادری صاحبؒ نے ہی سید نظام الدین قادریؒ کے لیئے محبوبیت کی سفارش فرما کر اعلیٰ حضرت کے لقب سے نوازا تھا اور وہ سید باسط علی جعفریؒ کو ''بڑا صوفی'' اور اپنا بڑا بھائی کہتے تھے۔ راقم کو یہ شرف حاصل ہے کہ ابّا جیؒ کے کرم سے راقم ان تینوں حضرات کا ہم نشین رہا ہے اور

راقم کو ان تینوں کی شفقت و محبت نصیب رہی ہے۔ نیز پروفیسر مرتضیٰ شفیعؒ سے بھی دنیاوی و دینوی ہر دو نوع کی قربت خاص اور بے تکلف روابط کا اعزاز حاصل ہے۔ پروفیسر عشرت الحسن برنیؒ سے بھی شب و روز کا بے باکانہ ساتھ رہا ہے۔ الحمداللہ کہ ان تمام اکابرین نے راقم کو اپنائیت کے ساتھ بہت سے ظاہری معاملات اور باطنی حقائق سے آگاہ کیا۔ بالخصوص سید باسط علی جعفریؒ کا قرب اور ان سے حاصل شدہ تربیت ہی راقم کا ظاہری و باطنی سرمایہ ہے۔

جہاں تک مرکز سے تعلق کی بات ہے تو راقم کو یہ عرض کرنے میں کوئی باک نہیں کہ اسے ماں جیؒ اور سیدی قادر بھائی جانؒ سے بھی قریب رہنے کا اعزاز حاصل ہے اور بحمداللہ یہ قربت ظاہر و باطن ہر دو حوالے سے رہی ہے ماں جیؒ کے پردہ فرمانے کے بعد بھی ہر جمعرات اور گیارہویں شریف کے ختم میں۔۔۔ شعبان کی شب بیداری میں۔۔۔ اور دیگر اہم مواقع پر راقم باقاعدگی سے شریک رہا ہے۔ جس کے گواہ آج صرف بھائی عبدالستارؒ رہ گئے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نظام الدین قادریؒ کی محفل کے بجائے جب پروفیسر سیّد باسط علی جعفریؒ کے ارشاد پر راقم کی نشست سیّد شبیر علی قادریؒ کے ساتھ شروع ہوئی تو بھی قادری منزل پر حاضری کا سلسلہ جاری رہا۔ دھوبی گھاٹ والے حضرت محمد علیؒ کے قادری منزل پر دوبارہ بیٹھنے کے بعد جب سیّد شبیر علی قادریؒ کی نشست وہاں سے ختم ہوئی تو ان کے ہی ایما پر راقم کی ظاہرہ حاضری بھی قادری منزل سے منقطع ہوگئی مگر خواب کا رابطہ مستقل رہا ظاہر کی حاضری منقطع ہونے سے ذہنی و قلبی بوجھ ختم کرنے کے لیئے سیّد شبیر علی قادریؒ نے راقم سے ارشاد کیا۔۔۔ ''پُتر تو بالکل نہ گھبرانا سرکار: کا یہ عاجز غلام ابھی

بیٹھا ہوا ہے''۔۔۔۔! ساتھ ہی آپ نے یہ بھی ارشاد کیا کہ اس غلام کی نظر میں قادر بھائی جان کی ذات وہ ہے کہ۔۔۔۔اگر وہ اِس عاجز غلام کی کھال کے جوتے بنوا کر پہنیں تو یہ غلام کے لیئے اعزاز ہے۔مگر قادری منزل پر اب حاضر ہونے کی ایک شکل تو یہ ہے کہ قادر بھائی جانؒ حاضر ہوتے رہنے کا خود حکم فرمائیں یا یہ کہ آپ مدینہ شریف حاضری دے کر واپس آجائیں! دونوں باتوں میں سے کوئی بات پوری نہ ہوئی۔ بالآخر ۱۹۷۶ء میں قادری صاحبؒ نے پروفیسر مرتضٰی شفیع صاحبؒ کے سوسائٹی والے فلیٹ کو''ماں جیؒ '' کا گھر ڈکلیئر کر کے وہیں رہائش اختیار کر لی اور محترمہ زبیدہ کے ساتھ ان کا کرم والتفات روز افزوں ہوگیا۔وہاں بھی راقم کی حاضری کا سلسلہ مستقل رہا کہ ۱۹۷۶ء میں آپ نے پردہ فرمایا اور سیّدی قادر بھائی جانؒ اور ان کی اولاد نے قادری صاحبؒ کے سوئم وغیرہ کی رسوم میں باقاعدہ شرکت کی۔

مندرجہ بالا حقائق تحریر کرنے کا مقصد یہ عرض کرنا ہے کہ (اس وقت) اباجیؒ کے سارے غلاموں میں راقم وہ واحد شخص ہے جس کو سارے ہی اکابرینِ سلسلہ کی ہم نشینی کا شرف اور قربت حاصل رہی ہے اور جس کو ان عظیم شخصیتوں نے بہت سے ظاہرہ واقعات اور باطنی رموز سے آگاہ کیا ہے یہی وجہ ہے کہ راقم پچاس سال بعد وجود میں آنے والے سلسلے کہ سارے حلقوں کی تشکیل اور ان کے ظاہر و باطنی اسباب و رموز ومحرکات سے وہ آگہی رکھتا ہے۔ جسے شاید اباجی نے راقم کا ہی حصہ بنایا ہے۔اور راقم کے ذہن وقلب میں ہر حلقہ کے رہنما اور ارکان کے لیئے خیر کے جذبات رکھے ہیں یہ رویّہ حقیقت میں سیّدی قادر بھائی جان اور پروفیسر باسط علی جعفری کا رویّہ ہے جو کسی بھی حلقے کے مخالف نہیں تھے ان دو کاملین کے بعد تیسری شخصیت اس عاجز

غلام کی ہے جس کو ظاہر و باطن کے معاملات کی واقفیت بھی ہے اور سب کا احترام بھی کہ غلام آج بھی ابا جیؒ کے پورے سلسلے کو ایک برادری ہی جانتا ہے۔ شاید اسی حوالے سے ابا جیؒ نے غلام کے لیئے۔۔۔ ''میرا بیٹا اور واحد بیٹا''۔۔۔ کے الفاظ استعمال کیئے ہوں۔ راقم سمجھتا ہے کہ آج ابا جیؒ کے سلسلے میں غیر جانبداری اور کُل کی خیر کے دو قابل احترام مظاہر اور بھی ہیں ''ایک بھائی عبدالستار مدظلہ العالی اور دوسرے چودھری غلام ربانی مدظلہ العالی جن کو ابا جیؒ نے ظاہر و باطن کے اختلافی مسائل نظر انداز کر کے قادر بھائی جانؒ کی طرح وحدت کی علامت بنایا ہے۔

اختلافات کے رموز و محرکات

اس موضوع پر کچھ لکھنے سے پہلے راقم علامہ اقبال کی سی جرأت اور حوصلہ تو نہیں رکھتا کہ یہ کہہ سکے!

بھری بزم میں راز کی بات کہہ دی
بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں

''یہ ان کی جرأت تھی'' راقم تو ابا جیؒ سے یہ عرض کرتا ہے کہ۔

کرم مستقل اور سوا چاہتا ہوں
خطا کر رہا ہوں عطا چاہتا ہوں

ابا جیؒ کے سلسلہ میں پہلا نقطۂ اختلاف اس وقت کے نوعمر و جواں سال غلام ''دھوبی گھاٹ والے حضرت محمد علیؒ اور سیّد شبیر علی قادریؒ کی راہوں اور فقیری رویّہ کا فرق ہے'' جو کھل کر تو کبھی سامنے نہیں آیا مگر ابا جیؒ کی حیات ظاہرہ میں بھی معاملات پر اثر انداز ہوتا رہا۔

سید شبیر علی قادریؒ سرکار غوث پاکؒ کی اولاد ابّا جیؒ کے عاشق۔ نرم خو۔ معاف کرنے والے خطا پوش۔ خطا بخش کم گو متحمل خیر خواہ اور ابّا جیؒ کے کرم کو محدود نہ سمجھنے والے ایک ایسے ولیِ کامل تھے کہ اس دور میں جس کا تصور بھی محال ہے۔ ابّا جیؒ کے سلسلے میں آنے سے پہلے ہی وہ اپنی خاندانی باطنی نعمت کے علاوہ سیّدی حضرت ابوالحسناتؒ سے بھی نعمت یافتہ تھے۔ کم خوردن کم گفتن کم خفتن ان کا شعار تھا۔ ان کی پوری زندگی مجاہدہ تھی جب پردہ فرمایا تو کسی نے خواب میں دیکھا کہ آپ ایک معصوم بچہ کی شکل سرکارؒ کی آغوش میں ہیں اور سرکارؒ ان کے لیئے فرمارہے ہیں کہ ''یہ بہت تھک گیا ہے'' اس جملے سے ان کے مجاہدات اور نفیٔ ذات کی کوششوں کا انداہ کیا جاسکتا ہے۔ بائیں ہمہ وہ باطنی طور سے عطا کردہ بعض ذمہ داریوں کے سبب کچھ ایسے رویئے اختیار کرتے تھے کہ ظاہر میں نظر اس کی گہرائی کو نہیں پہنچ سکتی۔

آتشیِں مخلوق کی حفاظت و پرورش کی جو ذمہ داری سیّد شبیر علی قادریؒ کے سپرد کی گئی تھی اس کے تقاضے پورے کرنے کے لیئے جو کچھ کرنا پڑتا تھا اہل نظر بھی اس سے متفق نہ ہوتے تھے مگر سیدہ ماں جیؒ کی حمائت انھیں مستقل حاصل تھی، اسی لیئے وہ اکثر فرماتے تھے کہ بے شک کرم سرکارؒ ابّا جیؒ کا بے مثال ہے مگر ماں نے جو کرم کیا ہے وہ اور ہی کچھ ہے'' اور شاید اسی عطائے خاص کی بنیاد پر انھوں نے اپنے وقت آخر سوسائٹی والے مرتضیٰ شفیع صاحبؒ کے فلیٹ کو ماں جیؒ کا گھر ڈکلیئر کر کے عطا و کرم کی نئی شان دکھائی تھی۔

کراچی میں رہائش اختیار کرنے کے بعد حضرت ابّا جیؒ کے کرم خاص کے جو دو مظاہر تھے ان میں سیّد شبیر علی قادریؒ کے علاوہ دوسری شخصیت (اس وقت

کے ایک نوعمر جواں سال بے دھڑک اور بے باک لڑکے حضرت محمد علیؒ کی تھی۔۔۔۔ مگر ابّا جیؒ کی چشم کرم نے ان کو ایسا نوازا کہ وہ اوائل عمر میں ہی ایک ایسے فقیر کامل ہوئے کہ ابّا جیؒ نے ان کے لیئے فرمایا۔ کہ اگر یہ ایک آزمائش سے کامیاب گزر گیا تو اس کے در سے تقسیم ہونے والے لنگر کے لیئے ایک من نمک درکار ہوگا۔۔۔۔ یہ شرط شاید مجرد زندگی گزارنے کی تھی جو پوری نہ ہوسکی۔

سید باسط علی جعفریؒ جو ایک مدت حضرت محمد علیؒ کی محفلوں میں بھی شریک رہے تھے فرماتے تھے کہ محمد علی ابّا جیؒ کے سلسلے میں بے مثال بے دھڑک خالص اور اکمل فقیر تھے۔ ان کی راہ سید شبیر علی قادریؒ کی راہِ فقر سے جدا اور مختلف اور سید باسط علی جعفریؒ کی راہ سے کچھ مماثل اور قریب تھی۔ باسط صاحبؒ اور محمد علی صاحبؒ دونوں کی راہ میں ایک مماثلت یہ تھی کہ وفورِ نور کے سبب یہاں آتشیں مخلوق کو وہ چھوٹ اور آزادی نصیب نہیں تھی جو درگزر رواداری اور نرم مزاجی کے سبب قادری صاحبؒ کے پاس میسر تھی۔ قادری صاحبؒ کے تابع احکام جنّاتوں کا ایک بڑا طاقتور لشکر تھا جو حضرت محمد علیؒ اور سید باسط علیؒ سے دور اور خائف رہتا تھا مگر اس کو سیدہ ماں جیؒ کی پشت پناہی حاصل تھی یہی وجہ ہے کہ بہت سے غلاموں کے ساتھ اس لشکر کے مضرِ رویّہ کے باوجود کوئی اس کا بال بیکا نہ کرسکا۔۔۔۔ ویسے اس لشکر اور گرہ کو محمد علی صاحبؒ کے مزاج سے ہمیشہ خطرہ رہتا تھا۔ حضرت محمد علی صاحبؒ سے مجرد رہنے کی شرط پوری نہ ہونے کی خطا پر اسی گروہ کی کوششوں سے بالآخر محمد علی صاحبؒ کو قادری منزل سے اترنا ہی پڑا اور وہ دھوبی گھاٹ کے علاقہ میں اپنے عقیدت مندوں کے حلقے تک محدود ہوکر ابّا جیؒ کے دوسرے غلاموں سے دور ہوگئے۔ سیّدی

قادری صاحبؒ اور محمد علی صاحبؒ کے اس اختلافِ راہ میں سید باسط علیؒ کا جھکاؤ قادری صاحبؒ کی محبت اور احترام کے باوجود محمد علی صاحبؒ کی طرف ہی رہا۔ اور انھوں نے کبھی بھی حضرت محمد علیؒ کی نہ تو کسی کمزوری کی نشاندہی کی اور نہ کبھی ان کے خلاف کسی کے بیان کی تائید کی جب کہ دیگر اکابرین کے کمزور پہلوں پر ان کی کڑی نظر رہتی تھی۔ جہاں تک اعلیٰ حضرت نظام الدین قادریؒ کا تعلق ہے تو وہ محمد علی صاحبؒ کی طرف بالکل مائل نہ رہے وہ محمد علی صاحبؒ کی نعمتوں کے منکر تو نہ تھے (بلکہ کوئی بھی انکاری نہ تھا) مگر یہ ضرور کہتے اور سمجھتے تھے کہ محمد علی صاحبؒ کے پاس جو نعمت ہے وہ دوسروں کو منتقل کرنے والی نہیں بلکہ صرف ان کی ذات کے لیئے مخصوص و محدود ہے یہ پہلا اختلاف تھا جو ابّا جیؒ کے غلاموں میں راہوں اور مزاجوں کے فرق کے سبب وقوع پذیر ہوا۔ حضرت ابّا جیؒ نے مراقبہ میں ایک بار فرمایا کہ میرا سلسلہ تو بہت سیدھا سادا تھا مگر لوگوں کے مزاجی فرق نے اس میں پیچیدگیاں پیدا کر دی ہیں۔

متذکرہ بالا اختلاف و افتراق خواص تک محدود رہا عام غلام اس میں ملوث اور دخیل نہیں ہوئے۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ محمد علی صاحبؒ کے حلقے والے لوگوں کے روابط باہم محدود تھے۔ دوسرے غلاموں سے ان کا کوئی رابطہ تھا نہ اختلاف۔۔۔ دوسرا بڑا سبب اختلاف جس سے حلقہ بندی مستحکم ہوئی وہ سید شبیر علی قادریؒ اور اعلیٰ حضرت نظام الدین قادریؒ کا اختلاف تھا۔ یہ خالص نجی بنیاد پر شروع ہوا اور بڑھ کر اصول بن گیا۔ ویسے اس نجی اختلاف کے پس منظر میں کچھ باطنی رموز بھی موجود تھے۔ جیسا کہ حضرت محمد علیؒ اور قادری صاحبؒ کے روابطہ کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے کہ سید شبیر علی قادریؒ کے پاس ابّا جیؒ کے سلسلے میں آنے سے قبل ایک ایسی نعمت بھی تھی جس کا لازمہ

آتشیں مخلوق کی پرورش تھی اور حضرت ابا جیؒ نے قادری صاحبؒ کو داخل سلسلہ کرتے وقت ان کی یہ نعمت جوں کی توں قائم رکھ کر ماں جیؒ کو اس کا نگراں بنا دیا تھا یہی وجہ تھی کہ کوئی بڑے سے بڑا ولی اللہ بھی اس معاملے میں نہ تو دخیل ہوسکا اور نہ آتشیں مخلوق کو کوئی ضرر پہنچا سکا۔ سلسلہ کے جو اکابرین صاحب مراقبہ و صاحب نظر بھی تھے وہ بھی ''دم نہ کشیدم'' کے مصداق خاموش تھے۔ اعلیٰ حضرت صاحبؒ مراقبہ و صاحب نظر ہونے کے سبب اس رمز سے بھی آگاہ تھے اور ان کی فقیری کی راہ بھی ایسی نہ تھی کہ اس میں آتشیں مخلوق سے بے تعلقی لازم ہو۔۔۔ تاہم یہ ضرور تھا کہ وہ اپنے متعلقین کے ظاہری و باطنی معاملات میں جنّاتی مداخلت کے خلاف ہی نہیں بلکہ اس سے ناراض اور بیزار بھی تھے مگر ماں جیؒ کی نگرانی اور ابا جیؒ کی بندہ پروری کے آگے سرِ تسلیم خم کیے رہتے تھے۔ سرکارؒ کے بہت سے غلاموں کی باطنی نعمتیں جو اعلیٰ حضرتؒ کی عطا کردہ تھیں اکثر جنّاتی مداخلت سے ضائع اور سلب بھی ہو جاتی تھیں جو ان کے لیئے ناگواری کا باعث تھا مگر قادری صاحبؒ کے احسانات اور قدیم محبت و رواداری کے تعلقات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

یہاں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ اس جناتی لشکر کو سید شبیر علی قادریؒ کی ذات اقدس سے جو یگانیت و ہمرنگی حاصل تھی اور جس کی بنیاد پر اس جنّاتی لشکر کے سربراہ کو جو ''شاہ جی'' کے لقب سے ملقب تھے۔ قادری صاحبؒ کی صورت و شکل و شباہت اختیار کر لینے کا اعزاز حاصل تھا جو دیکھنے والوں کے لیئے پریشان کن تھا اور اسی بنیاد پر اکثر صاحب مراقبہ لوگ بھی ان کے اور قادری صاحبؒ کے درمیان تفریق و امتیاز نہ کر سکنے کے سبب ''شاہ جی کے اکثر ضرر رساں اعمال و افعال کو معصوم سید شبیر علی قادریؒ کی ذات سے وابستہ

کر کے اکثر بدظنی کا شکار ہو جاتے تھے۔ اس حوالے سے اعلیٰ حضرت کو قادری صاحبؒ سے باوجود احترام محبت شکوے اور شکایات بھی تھیں مگر اعلیٰ حضرتؒ نے کبھی اپنی زبان سے قادری صاحبؒ کے لیئے کبھی کوئی نازیبا جملہ بیان نہیں کیا تاہم ان کے کم نظر کچھ معتقدین اس معاملے میں اپنی اوقات سے بڑھ کر بھی زبان درازی کر لیتے تھے ان اختلافی رویّوں کو ایک حادثہ نے ہوا دیکر معاملات بہت خراب کر دیئے۔

یہ گزشتہ صدی کی ساتویں دہائی کے آغاز کی بات ہے جب اعلیٰ حضرتؒ کا قیام راجہ مینشن کے دو کمرے والے فلیٹ میں تھا۔ وہاں غلام بھائیوں کی پابندی کے ساتھ روزانہ حاضری کا نتیجہ یہ تھا کہ شام ۵ بجے سے رات دس بجے تک اعلیٰ حضرتؒ کی بیوی اور بچے ایک چھوٹی سی گیلری یا باورچی خانے میں رہنے پر مجبور تھے ایک دن حادثہ یہ پیش آیا کہ باورچی خانے میں اسٹوو پھٹ جانے کے سبب آگ لگ گئی اور اس آگ میں اعلیٰ حضرتؒ کا چھوٹا معصوم بیٹا جھلس کر فوت ہو گیا۔ اس وقت اعلیٰ حضرتؒ کہیں گھر سے باہر گئے ہوئے تھے مگر سید شبیر علی قادریؒ فلیٹ میں موجود تھے جب اعلیٰ حضرتؒ کو خبر دی گئی تو وہ شدت غم بے تاب ہو گئے اور ان کو اس بات پر شکایت پیدا ہو گئی کہ قادری صاحبؒ جیسے صاحب اختیار ولیٔ کامل نے مداخلت کیوں نہیں کی۔ پدرانہ محبت کی شدت نے قادری صاحبؒ کی طرف سے بدظنی اور بیزاری پیدا کر دی۔ ان کی زبان سے کسی ناشائستگی کا مظاہرہ تو نہیں ہوا مگر ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیئے بعض لوگوں کی زبان سے قادری صاحبؒ کے لیئے گستاخانہ جملے ادا ہونے لگے اور اعلیٰ حضرتؒ نے اس رویّہ کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا بلکہ بامعنی خموشی اختیار کی قادری صاحبؒ مزاجاً کم گو اور ارادۂ تحمل کا پہاڑ تھے

وہ کوئی تلخی پیدا کیئے بغیر سب کچھ خموشی سے برداشت کرتے رہے مگر سید باسط علی جعفریؒ جو معاملے کی باطنی بصیرت اور ظاہرہ فہم بھی رکھتے تھے۔ نئی صورت حال سے پریشان تھے وہ طرفین میں جانب داری کا مظاہرہ نہیں چاہتے تھے مگر قادری صاحبؒ کے احترام و محبت کے سبب ان کی توہین بھی نا قابل برداشت تھی انجام یہ ہوا کہ ایک دن قادری صاحبؒ کی واپسی کے وقت وہ خود بھی قادری صاحب کے ساتھ ان کے فلیٹ پر گئے اور وہاں جا کر قادری صاحب سے کہا اب آپ یہاں ہی بیٹھیں گھر سے باہر ہی نہ جائیں۔ چنانچہ قادری صاحب اس دن سے گوشہ نشین ہو گئے اور قادری منزل پر ختم شریف میں شرکت کے علاوہ گھر سے نکلنا ہی چھوڑ دیا اعلیٰ حضرت کے طرفدار قادری صاحب کے خلاف گستاخ جملے کہتے رہے۔

تقریباً بارہ سال کی گوشہ نشینی کے بعد جب طلسم تنہائی ٹوٹنے کا وقت آیا تو آپ کی مختصر سی محفل دوبارہ سجی جس میں سید باسط علی جعفریؒ کی اجازت وایما پر پروفیسر مرتضیٰ شفیعؒ کی کوشش اور عہد تنہائی میں قادری صاحبؒ سے وابستہ رہنے والے ان کے دوست سید محمد حسین بخاریؒ کی فرمائش پر راقم کو اس محفلِ خاص میں شرف حاضری نصیب ہوا۔ قادری صاحبؒ نے اپنی خلوت نشینی کے دور پر تبصرہ کرتے ہوئے راقم سے ارشاد کیا۔۔۔ ''مجھے تو باسطؒ یہاں بیٹھا ل گیا تھا سو میں یہیں بیٹھا ہوں اور میں نے کسی کو بھی یہاں بلانا نہیں چاہا سیّد صاحبؒ کو بھی سرکارؒ نے بھیج دیا اور انہوں نے فرمائش کی کہ فائق اور مرتضیٰ شفیعؒ کو بلالیں''۔۔۔ پھر فرمانے لگے کہ پہلے جو آتا تھا اس پر کرم ہوتا تھا اور اب وہ آتا ہے جس پر پہلے کرم ہو جاتا ہے۔''۔۔۔۔

غرض یہ کہ اس طرح اعلیٰ حضرتؒ اور قادری صاحبؒ میں فاصلہ اتنا بڑھ گیا

کہ طرفین میں بہ مع متعلقین گفت وشنید تو کجا ''علیک سلیک'' بھی ختم ہوگئی اور ایک دوسرے سے بیزاری کے سبب مزید دو نمایاں حلقے وجود میں آ گئے اور غیر معتدل یا انتہا پسند کم فہم لوگوں نے ایک دوسرے پر تبرّہ بازی بھی شروع کردی پہلی صدی کے فیض والے سلسلہ میں پہلی صدی جیسے اختلافات بھی رونما ہونے لگے۔

ان دو حلقوں یا گروہ میں تقسیم کا سبب جو واقعہ بنا اس پر راقم کو حیرت بھی ہے اور افسوس بھی ہے۔یعنی قادری صاحبؒ کی موجودگی میں اعلیٰ حضرتؒ کے بیٹے کا آگ میں جل کر فوت ہو جانا۔۔۔راقم کو حیرت اس لیئے ہے کہ خود اعلیٰ حضرتؒ کے ارشاد کے مطابق حضرت ابّا جیؒ نے اس بچہ کے لیئے اعلیٰ حضرتؒ سے حیاتِ ظاہرہ میں ہی فرمادیا تھا کہ ''تیرے بچوں میں سے یہ بچہ میرا ہے'' ۔۔۔ یہ دراصل مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے حادثہ کی ہی طرف ایک اشارہ اور اعلیٰ حضرتؒ کے لیئے پیشگی تسلّی تھی۔ باطنی بصیرت کے حامل اور صاحب مراقبۂ صادقہ ہونے کے باوجود شاید وہ اس رمز کو نہ سمجھ سکے جب کہ وہ ذہانت اور دنیاوی سوجھ بوجھ میں بھی بڑے صاحبِ صلاحیت تھے مگر وہ جو مقدرات ہیں ہو کر رہتے ہیں۔

مندرجہ بالا دو واضح اور باہم مخالف حلقوں کے علاوہ وہ چند غلام جو باسط صاحبؒ کے تربیت یافتگان شمار کیئے جاسکتے ہیں غیر جانب دار رہے اور انہوں نے باسط صاحبؒ کے ساتھ اعلیٰ حضرتؒ کی محفلوں میں شرکت کے باوجود کبھی قادری صاحبؒ کی شان میں گستاخی تو کجا اس کا تصور بھی نہیں کیا ان میں پروفیسر مرتضیٰ شفیعؒ پروفیسر عشرت الحسن برنیؒ۔غلام بھائی جمیل احمد، نذیر بھائی، ماجد بھائی، راقم الحروف اور چند دیگر لوگ شامل تھے۔

صورت حال کے مطابق محمد علی صاحبؒ کا دھوبی گھاٹ والا ایک حلقہ

۔۔۔ قادری صاحبؒ کے اقارب کا دوسرا حلقہ ۔۔۔ اعلیٰ حضرتؒ کے ساتھیوں کا تیسرا حلقہ بن گیا ۔۔۔ اور بعض لوگوں نے باسط صاحبؒ کے تربیت یافتگان کو ملیر گروپ کہنا شروع کر دیا ۔۔۔ اور نہ معلوم کیوں ہمارے لیئے پڑھے لکھے گروپ کی بھی اصطلاح استعمال کرنے لگے۔ شاید اس لیئے کہ ہم میں کالج کے چار مشہور پروفیسر بھی شامل تھے۔

انجام کار برنی صاحبؒ بھی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا کر الگ ہو گئے ۔۔۔ اور پروفیسر مرتضیٰ شفیعؒ کا بھی ایک حلقہ وجود میں آ گیا۔ اس کے ساتھ ہی سید محمد حسین بخاریؒ اور ان کے بعد ان کے بھانجے محمد امین بخاری کا بھی ایک حلقہ بن گیا مگر راقم کے پاس اس امر کی کوئی باطنی تصدیق نہیں ہے کہ یہ حلقہ بھی ابا جیؒ کے سلسلہ کا حلقہ ہے یا اپنا علیحدہ وجود رکھتا ہے۔

پروفیسر مرتضیٰ شفیعؒ اور برنی باباؒ کے دو حلقے بننے کے اسباب و محرکات پر اگر غور کیا جائے تو درج ذیل حقائق کو ملحوظ رکھنا ہوگا۔

جب سید شبیر علی قادریؒ کی مختصر محفل دوبارہ سجی تو اپنی شوخیٔ گفتار اور شان بزم آرائی کے سبب مرتضیٰ شفیعؒ ہی اس میں نمایاں رہے۔ پروفیسر مرتضیٰ شفیعؒ ''صاحب فہم و فراست'' تھے مگر جوشِ محبت میں ''یک در گیر و محکم گیر'' کا کچھ ایسا مظاہرہ کرتے تھے کہ حد اعتدال سے گزر جاتے تھے۔ قادری صاحبؒ کی محفل میں بھی انہوں نے قادری صاحبؒ سے انتہائی محبت اور وابستگی کا مظاہرہ کر کے وہی عدم اعتدال یا ہوش و حواس کی بجائے ''جنونِ محبت کا طریقہ استعمال کیا کہ قادری صاحبؒ کی محفل میں ظاہرہ حاضر نہ ہونے کے سبب باسط صاحبؒ اور برنی صاحبؒ سے بھی وہ ناراض ہو گئے جبکہ قادری صاحبؒ کے پاس ان دونوں کے لیئے موافقت و محبت کے جذبات

تھے۔ساتھ ہی یہ بھی ہوا کہ قادری منزل سے قادری صاحبؒ کا ظاہری رابطہ ختم ہو جانے کے سبب قادری منزل اور قادری بھائی جانؒ کے لیئے بھی مرتضیٰ شفیع صاحبؒ کے پہلے جیسے جذبات اور رویّہ تبدیل ہو کر نہ صرف بے تعلقی پر منتج ہوا۔ بلکہ راقم نے ان میں کچھ منفی رویّوں کی جھلک بھی دیکھی جس کے سبب ان کا اور ان کے متعلقین کا تعلق آج بھی قادری منزل والوں کے ساتھ بے نیازانہ ہے حالانکہ وہ سلسلہ کا مرکز ہے اور رہے گا۔ ویسے یہ درست ہے کہ بقول باسط صاحبؒ۔۔۔۔ ابا جیؒ درودیوار ومحراب وگنبدومینار میں محدود نہیں ہیں۔۔۔۔ مگر آپ سے متعلق جب دیگر اشیاء ''تبرک'' تصور کی جائیں تو کیا آپ کی سابقہ اور موجودہ آرام گاہ تبرک کی تعریف میں نہیں ہے۔ قادری صاحبؒ کی ہدایت کے مطابق آج آپ کی اولاد قادری منزل سے پختہ وابستگی رکھتی ہے۔ جب کہ مرتضیٰ شفیع صاحبؒ اور ان کے حلقے والوں کا رویّہ احترام کے باوجود احتراز کا ہے۔۔۔۔ راقم کی آرزو اور کوشش یہی ہے کہ فصل ختم ہو کر وصل سے ہم رنگ ہو جائے۔

قادری منزل کے بعد مرتضیٰ شفیع صاحبؒ کا باسط صاحبؒ سے دور یا ان کے خلاف ہو جانا حیرت انگیز بھی ہے اور غم انگیز بھی۔ اس لیئے کہ مرتضیٰ شفیعؒ کو داخلِ سلسلہ کرنے اور نوافلِ داخلہ پڑھانے میں قادری صاحبؒ کے ساتھ باسط صاحبؒ اور اعلیٰ حضرتؒ کا بھی نام آنا لازم ہے کہ ان کو باسط صاحبؒ کے ہی مکان پر تینوں اکابر کی مشترکہ مرضی سے نوافل پڑھائی گئی تھیں۔ ایک دور ایسا بھی گزرا ہے جب مرتضیٰ شفیع صاحبؒ کو قادری صاحبؒ اور اعلیٰ حضرتؒ سے ہٹ کر باسط صاحبؒ کے دامنِ عاطفت میں ہی پناہ ملی تھی اس کا پس منظر یہ ہے کہ مرتضیٰ شفیع صاحبؒ کے داخلِ سلسلہ ہونے کے بعد مرتضیٰ شفیع صاحبؒ کے

مہذب تعلیم یافتہ خوش خلق، وخوبرو اور ہم عقیدہ ہونے کے حوالے سے ان کی شادی باسط صاحبؒ کی ایک عزیزہ سے تجویز کی گئی تھی مگر مرتضیٰ شفیع صاحبؒ کے والدین اس پر تیار نہ تھے اور مرتضیٰ شفیع صاحبؒ نے ''نیاز مند بیٹے'' کا رویّہ اختیار کر کے اکابر کی تجویز کو نظرانداز کر دیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قادری صاحبؒ اور اعلیٰ حضرت کی مشترکہ مرضی سے مرتضیٰ شفیع کی شادی پر باطنی پابندی نافذ کر دی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرتضیٰ شفیع صاحبؒ کا عہد جوانی مجرد ہی گزر گیا۔ تقریباً ۱۹۷۰ء کے قریب کی بات ہے کہ ایک دن راقم باسط صاحبؒ کے ہمراہ علامہ اقبال کالج مرتضیٰ شفیع صاحبؒ سے ملاقات کے لیئے گیا وہاں مرتضیٰ شفیع صاحبؒ نے اردو کی پروفیسر آنسہ زہرہ سے بڑا بامعنی تعارف کروایا۔ اس ظاہرہ تعارف کے ساتھ مرتضیٰ شفیع صاحبؒ اور محترمہ زہرہ کی در پردہ ایک درخواست بھی شامل تھی۔ باسط صاحبؒ کو چونکہ اس امر کا لحاظ تھا کہ ان کی ایک عزیزہ سے نسبت پر تیار نہ ہونے کے سبب مرتضیٰ شفیع صاحبؒ کی شادی پر پابندی نافذ ہوئی تھی اس لیئے انہوں نے جذباتی سطح سے بالاتر ہو کر طرفین کی در پردہ درخواست پر رضامندی ظاہر کی اور محترمہ زہرہ سے فرمایا آپ آنکھوں سے آنسو پوچھیں سرکارؒ آپ دونوں کی خواہش پوری کرینگے'' اور ایسا ہی ہوا کہ ان کے نکاح کی تقریب میں اعلیٰ حضرتؒ اور قادری صاحبؒ دونوں ہی شریک ہوئے۔ قادری صاحبؒ اور اعلیٰ حضرتؒ کے مشترکہ فیصلے کی تنسیخ کا کسی صورت کوئی امکان نہ تھا مگر سرکارؒ نے ایسا ہی کیا جس کا مرتضیٰ شفیع صاحبؒ کو پورا علم تھا۔ اس کامیاب شادی کے بعد مرتضیٰ شفیع صاحبؒ نے راقم سے کہا ''فائق صاحب یہ باسط صاحبؒ جیسا کامل فقیر تھا جو مجھے سلامتی سے لے کر گزر گیا۔ اگر کوئی اور ولی اللہ بھی ہوتا تو اپنی ولایت کھو

بیٹھتا'' میں نے جب ان کے اس جملے کو باسط صاحبؒ کے سامنے دوھرایا تو بولے۔۔۔مگر نظام الدین صاحبؒ نے اس کی اولاد کاٹ دی۔۔۔!

راقم نے یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد جس زبان سے باسط صاحبؒ کے لیئے فقیر کامل کے الفاظ سننے تھے اس سے ہی متضاد بیان بھی سنا۔ یہ محترم مرتضیٰ شفیع صاحبؒ کے جوش جنون کا ظہور تھا جس کی کوئی پکڑ باسط صاحبؒ کی جانب سے بے تعلقی کے سوانہیں کی گئی۔

اسی طرح پروفیسر عشرت الحسن برنیؒ کے لیئے بھی راقم نے مرتضیٰ شفیعؒ کا خود متضاد رویّہ دیکھا کہ ایک دن وہ برنی صاحبؒ کو داخل سلسلہ کروانے کے لیئے سفارش گزار تھے اور ایک دن وہی برنی صاحبؒ ان کی ملاقتوں اور محبتوں سے محروم ہوگئے۔ شاید پورے سلسلہ میں راقم وہ خوش قسمت غلام ہے جس کے لیئے مرتضیٰ شفیع صاحبؒ کی زبان پر ہمیشہ مثبت جملے ہی رہے۔ ان کے دور آخر میں جب بارہ سال بعد راقم ان کے موجودہ فلیٹ پر پہنچا اور کچھ قدیم تصاویر اور کتب ان کو پیش کیں تو وہ ایسی ہی محبت سے ملے جیسے پہلے ملتے تھے اور فرمانے لگے جو ہوا سو ہوا۔۔۔''تمہارے لیئے اچھا ہی ہوا''۔

مرتضیٰ شفیع صاحبؒ کے ان انتہا پسندانہ رویّوں میں قادری صاحب کے دوست سید محمد حسین بخاریؒ سے محبت میں حد سے تجاوز کا بھی ایک رویّہ۔۔۔ اور برادرِ حقیقی احمد شفیع صاحبؒ سے دوری کا ایک رویہ بھی شامل ہے۔ احمد شفیع صاحبؒ سے دوری یا بے نیازی کے منفی اثرات اس لیئے ظاہر نہیں ہوئے کہ احمد شفیع نے مرتضیٰ کو ہمیشہ شفقت اور محبت ہی دی اور آخر تک بڑے پن بُردباری اور تحمل سے ملتے رہے وہ مرتضیٰ شفیعؒ کے بڑے بھائی ہونے کے ساتھ بڑے آدمی اور ابّا جیؒ کے اچھے غلام بھی رہے تھے۔ راقم نے ان کی

زبان سے کبھی بھی کسی کے بھی لیئے کوئی منفی بات نہیں سنی۔ ان کا اظہار اختلاف بھی ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ خموشی تھی۔

حضرت محمد حسین بخاریؒ کے ساتھ مرتضٰی شفیع صاحبؒ کے جنونِ عشق نے کچھ پیچیدگیاں ضرور پیدا کی ہیں۔ جب راقم ۱۹۷۶ء میں قادری صاحبؒ کے وصال کے بعد سے ۱۹۹۹ء میں باسط صاحبؒ کے وصال کے بعد ۲۴ سال کے فصل سے جناب مرتضٰی شفیع صاحبؒ کے فلیٹ پر حاضر ہوا تو انہوں نے اپنے حلقے کے بعض لوگوں کا تعارف یہ کہہ کر کروایا کہ۔۔۔''یہ بھی آپ کے ہم سلسلہ ہیں''۔۔۔مزید کہا کہ اب ان لوگوں کے جو معاملات ہیں وہ یہاں سے پہلے۔ سیّد صاحبؒ (بخاری صاحبؒ) کے پاس وہاں سے قادری صاحبؒ کے پاس اور وہاں سے حضرت اباجیؒ کے پاس جاتے ہیں''۔۔۔ راقم ان کا یہ جملہ سن کر حیرت زدہ رہ گیا کہ مرتضٰی شفیع صاحبؒ نے براہ سات سلسلہ میں یہ سیڑھیاں کیوں بنالی ہیں؟ مگر میں نے دانستہ اپنی اس حیرت یا افسوس کا ان سے کوئی اظہار نہیں کیا اور اباجیؒ کے کرم سے مرحوم قادری صاحبؒ کے اس جملے کا مفہوم واضح ہو گیا کہ۔۔۔''**شفیع نے سید صاحبؒ سے خود گٹھ جوڑ کیا ہے میں نے نہیں چاہا تھا**''۔ راقم کی آرزو اور کوشش بھی یہی ہے کہ سیّد شبیر علی قادریؒ کے چاہنے کے خلاف یہ گٹھ جوڑ باطنی ورثہ نہ بن جائے اور اس حلقے کے موجودہ سربراہ پروفیسر خلیق احمد شمسی کے زیر نگرانی غلاموں کا تعلق نوافل پڑھانے والے کی معرفت سرکارؒ اباجی سے براہِ راست ہی رہے۔ دیگر بزرگوں سے وابستگی محبت اور احترام کے باوجود راہ کو

پیچیدہ نہ کیا جائے شمسی صاحب کے علم وتدبر وتوفیق اور ابا جیؒ کے کرم سے راقم پرامید ہے۔

ابا جیؒ کے سلسلہ کا یک مختصر حلقہ ان غلاموں پر مشتمل ہے جو برنی باباؒ سے وابستگی رکھتے ہیں۔ برنی صاحبؒ اپنے عہد نوجوانی سے ہی راہ معرفت میں خانقاہی روایات کا میلان رکھتے تھے اور اپنے عہد جوانی میں انہوں نے اس حیثیت سے ہی خاصی شہرت ومقبولیت بھی حاصل کر لی تھی۔ مگر ابا جیؒ کے سلسلہ میں آنے کے بعد یہ خانقاہی گردوغبار ''براہ راست غلامی کی نسبت سے'' آبِ رحمت کے ذریعہ دھل گیا'' وہ آغاز سے ہی سید شبیر علی قادریؒ کی طرف رغبت خاص رکھتے تھے۔ مگر جامعۂ ملیہ کالج میں ملازمت اور پروفیسر سیّد باسط علی جعفریؒ اور پروفیسر مرتضیٰ شفیعؒ کی صحبت کے سبب ان کی نشستیں اعلیٰ حضرتؒ کی محفلوں میں ہی رہیں اور چند سال بعد قادری منزل پر آنا جانا بھی ختم ہو گیا۔ اعلیٰ حضرت نظام الدین قادریؒ نے ان کو باطنی منازل طے کروا کر راہ فقر کی تکمیل اور ان کے کامل ہونے کا اعلان فرما دیا۔۔۔اعلیٰ حضرتؒ کی خواہش یہ تھی کہ برنی باباؒ راہ کی تکمیل کے بعد ان کی ہی محفل میں ''مسند سجادگی'' سنبھالیں مگر باسط صاحبؒ کا طریقہ یہ تھا کہ ابا جیؒ کے سلسلہ میں خانقاہیت کی جھلک بھی نہ آنے پائے۔ باطنی اختیارات رکھنے والا کامل فقیر بھی باطنی طور سے کچھ بھی کرے اس کا ظاہرہ عمل ایک ''عام غلام'' والا ہی رہے جیسا کہ ان کا اپنا طریقہ تھا چنانچہ انہوں نے اس معاملے میں مداخلت کر کے برنی صاحبؒ کو محفل لے کر بیٹھنے سے باز رکھا۔ اور برنی صاحبؒ نے باسط صاحبؒ کے ایما سے ہی اعلان کر دیا کہ ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا گیا ہے اس کے بعد گھٹنوں کے درد کی تکلیف کا سہارا لے کر وہ اپنے گھر تک محدود ہو گئے۔

یہاں اس باطنی حقیقت کی وضاحت غیر ضروری نہ ہوگی کہ روحانیت کی باطنی راہ انسانی پیکر کے مشابہ ہے عام طور سے سالکین اس راہ کے نصف بالائی حصہ کی منازل طے کر کے ''کامل'' تصور کیئے جاتے ہیں مگر سید باسط علی جعفریؒ جیسا فقیر اس کو تکمیل حقیقی نہیں سمجھتا بلکہ حقیقی تکمیل کے لیئے اس باطنی راہ کے نصف زیریں حصہ کا سلوک باطنی بھی لازم ہے۔ چنانچہ باسط صاحبؒ نے برنی صاحبؒ کے گھر میں محصور ہو جانے کے بعد ان کا یہ باقی نصف باطنی سفر بھی مکمل کروا دیا۔ راقم اس حقیقت سے آگاہ نہیں ہے کہ برنی صاحبؒ کے علاوہ اور بھی کسی غلام نے بذریعہ مراقبہ یہ روحانی سفر مکمل کیا ہے یا نہیں؟

اعلیٰ حضرتؒ اور باسط صاحبؒ کے ذریعہ برنی صاحبؒ کی منازل سلوک طے کرنے کے پورے سفر کے دوران صرف راقم اور ماجد بھائی مرحوم ہی برنی صاحبؒ کے ساتھ رہے تھے۔ مرحوم جمیل بھائی جن کو حضرت ابا جیؒ اور سارے اہل سلسلہ ''غلام بھائی'' کہتے تھے وہ بوجہ ملازمت ملک سے باہر (مسقط) میں مقیم تھے مگر جب بھی پاکستان آتے تھے تو برنی صاحبؒ کے گھر پر ہی نشستیں رہتی تھیں ایک دن جب باسط صاحبؒ برنی صاحبؒ کے گھر تشریف لائے اس وقت راقم اور ماجد بھائی بھی وہاں موجود تھے تو برنی صاحبؒ نے باسط صاحبؒ سے کہا کہ۔۔۔ مجھ سے ابا جیؒ نے فرمایا ہے کہ تو غلاموں کو لے کر بیٹھ''۔۔۔ یہ جملہ سن کر باسط صاحبؒ کرسی سے کھڑے ہوئے اور برنی صاحبؒ سے کہا۔۔۔۔''اچھا آپ بیٹھیں میں چلا''۔۔۔اس جملے سے برنی صاحبؒ کی خاصی ہمت شکنی ہوئی اور غالباً دل شکنی بھی! اس کے بعد سے راقم کا اندازہ بھی ہے اور مشاہدہ بھی کہ برنی صاحبؒ باسط صاحبؒ سے کشیدہ کشیدہ رہنے لگے۔ اس حوالے سے پہلا قابل مشاہدہ یہ واقعہ سامنے آیا کہ

جب باسط صاحبؒ کا تبادلہ اندرون سندھ سے کراچی ہوگیا تو انہوں نے اپنے گھر پر غلام بھائی، ماجد بھائی، قاضی دیدار علی اور راقم کی موجودگی میں ختم شریف کا اہتمام کیا اور برنی صاحبؒ سے بھی شریک ختم ہونے کے لیئے کہا مگر برنی صاحبؒ نے گھٹنوں کی تکلیف کا پرانا حیلہ دوھرا کر معذرت چاہی اور شریک ختم نہیں ہوئے رفتہ رفتہ یہ فصل بڑھتا ہی گیا اور بالآخر برنی صاحبؒ نے بغیر کسی تلخی یا اعلان کے علیحدگی اختیار کر لی۔ ان کے اس رویّہ پر باسط صاحبؒ نے فرمایا کہ ''برنی صاحبؒ کے بقول حضرت ابّا جیؒ نے ان کا ہاتھ میرے (باسط صاحبؒ کے) ہاتھ میں دیا تھا میں ان کا ہاتھ ابّا جی کے ہاتھ میں واپس کر دیا۔۔۔۔!''

گو ذرا سی بات پر برسوں کے یارانے گئے
ہاں مگر اتنا ہوا کچھ لوگ پہچانے گئے

باقیات

متذکرہ بالا پانچ حلقوں میں کسی سے وابستگی نہ رکھنے والے مگر سب کا احترام کرنے والے اور کسی کے خلاف فتاویٰ صادر نہ کرنے والے غلام بھائی یا تو باسط صاحبؒ کے زیر اثر تھے یا انفرادی انداز میں براہ راست دستگیری کے تابع ان میں سے کچھ پاکستان میں کچھ مشرق وسطیٰ میں کچھ امریکہ اور یورپ یا دیگر ممالک میں سکونت پذیر تھے یا ہیں۔ ان سب غلاموں میں ایک اہم اور نمایاں نام برادرم مبارک علی صاحبؒ کا ہے۔

بھائی مبارک علی کو دیگر غلاموں کے مقابلے میں تین امتیازات حاصل ہیں۔ میری ان سے براہ راست ملاقات نہیں ہے مگر باسط صاحبؒ اور مرتضٰی شفیع صاحبؒ سے ان کے واقعات و معاملات سن کر جو واقفیت ہوئی ہے اس کے مطابق تحریر کررہا ہوں۔ وہ طویل عرصہ سے ملک سے باہر ہیں۔ وہ اپنی نو عمری میں داخل سلسلہ ہوئے تھے اس پر ان کے دینی فرقہ کے افراد اور والدین و اعزاء و اقارب سخت ناراض تھے۔۔۔ان کو دیگر تمام غلاموں میں یہ امتیاز و افتخار حاصل ہے کہ انہوں نے ابّا جیؒ کے ہاں حاضری اور سرکارؒ کی غلامی کو اپنانے کے لیئے اپنی تمام قرابتوں کو ترک کرنا گوارا کیا۔ ان کا دوسرا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے ابا جی کے پر پوتے کو بیماری کی نقاہت سے بچانے کے لیئے اپنا خون دیا تھا تیسرا یہ کہ ان کے تعلیمی ریکارڈ میں ابا جیؒ کے فرمانے پر ابّا جیؒ کا نام ان کے والد کی جگہ لکھا گیا ہے۔ یہ تینوں وہ اعزازات ہیں جو پورے سلسلہ میں کسی دوسرے کا حصہ نہیں ہیں۔

برادرم مبارک کے علاوہ اور بہت سے نئے اور پرانے غلام ہیں جن کا تعلق کسی حلقے سے نہیں ہے نہ ہی وہ حلقوں کے اختلافی معاملات میں کسی کے جانب دار ہیں نہ مخالف بیرونی ممالک میں بہت سے ایسے غلام بھی ہیں جن سے متعلق مختلف حلقوں کے سربراہان میں سے کسی کو ان سے واقفیت بھی نہیں ہے راقم مثال کے طور پر اپنے تین بیٹوں اور دو پوتوں کے نام پیش کرسکتا ہے جن میں سے دو امریکہ میں اور ایک دبئی میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ مقیم ہیں ان میں بڑا بیٹا محمد اویس اور اس کے بیوی بچے، اس سے چھوٹا بیٹا محمد بلال اور اس کے بیوی بچے امریکی نیشنل بھی ہیں۔ محمد زید جو اپنے ایک بیٹے اور بیوی کے ساتھ دوبئی میں ہے پاکستانی نیشنل ہے مگر وہ بھی امریکہ اور کینیڈا کے لیئے

پر تول رہا ہے۔طویل عرصہ سے پاکستان میں نہ ہونے کے باوجود ان کا ٹیلی فونک رابطہ موجودہ سربراہِ سلسلہ چودھری غلام ربّانی مدظلہ العالی سے ہے اور تینوں کو ان کی دعائیں بھی نصیب ہیں۔

مندرجہ بالا مختصر تحریر سے راقم کا مقصد نہ کسی پر تنقید ہے نہ اصلاح بلکہ ابا جیؒ کے تا قیامت قائم رہنے والے سلسلہ سے متعلق ابتدائی دور کی معلومات واقعات کو ضبطِ تحریر میں لانا ہے کہ آئندہ آنے والے غلام سلسلہ کے مختلف حلقوں میں منقسم ہو جانے کے اسباب سے ناواقف نہ رہیں۔

نیز یہ کہ جو بھی غلام بھائی ہیں وہ ابا جیؒ کے کرم کو محدود نہ کریں اور یہ خیال ذہنوں سے نکال دیں کہ سرکار ابا جیؒ کا فیض و کرم ان کی ذات اور ان کے حلقے والوں تک ہے۔ایسا سوچنا کم نظری ہی نہیں ناشکری بھی ہے۔راقم نے تو آقا سے عرض کیا ہے کہ

آبِ رحمت کا ہو گلزارِ محبت میں نزول
تر و تازہ رہیں آقا ترے گلزار کے پھول
ہے خطاؤں پہ عطا تیرا کرم تیرا اصول
اس خطا کار کی یہ عرض بھی ہو جائے قبول

تیرے جلوے سحر و شام نگاہوں میں رہیں
تا ابد ہم ترے دامن کی پناہوں میں رہیں
(آمین)

ختم شدہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پروفیسر ڈاکٹر محمد فائق صدیقی قادری کی تصنیفات

☆ قرآنی احکام وترغیبات		زیر اشاعت
☆ متاعِ آخرت	نعتیہ مجموعہ	مطبوعہ
☆ اکابرینِ اسلام	شخصیات	مطبوعہ
☆ حضرت اباجیؒ	ایک قادری بزرگ	مطبوعہ
☆ انوکھا سلسلہ	قادری سروری سلسلہ	مطبوعہ
☆ اجالے	طریقت ومناقب	مطبوعہ
☆ اسلامی آداب ومعمولات	احکام اور نفسیات	مطبوعہ
☆ صدیوں کا سفر	خاندانی سرگزشت	مطبوعہ
☆ میرابداؤں	تمدنی تجزیہ	مطبوعہ
☆ انتخابِ کلامِ فانی	تشریحی اشارات	مطبوعہ
☆ نفسیات کی آٹھ کتابیں	نصابی کتب	مطبوعہ
☆ سماجی نفسیات	نصابی	مطبوعہ
☆ شماریات	نصابی	مطبوعہ
☆ دو کتب کے انگریزی تراجم	فادر آگسٹین فرینڈس	مطبوعہ
☆ تعلیمی تحقیق	میدانی مطالعوں کے اصول	مطبوعہ
☆ ہومیو ڈکشنری	پہلی ہومیو ڈکشنری	مطبوعہ
☆ ہومیو سیریز	گیارہ کتب کا سلسلہ	مطبوعہ
☆ ہومیو میٹریا میڈیکا / معالجیات فلسفہ اور سائیکیاٹری	اٹھارہ کتب	مطبوعہ

کل ۵۳ کتب + لمک غیر مطبوعہ (قلمی)

مرا ماہی صلّ علیٰ امیں کچھ بھی نہیں

دعا یہ ہے کہ مجھ کو میرے سرور دیکھتے رہنا
چلوں جس راہ پر تم بن کے رہبر دیکھتے رہنا
لحد میں، نزع میں اور روز محشر دیکھتے رہنا
کوئی دیکھے نہ دیکھے تم برابر دیکھتے رہنا

ابد تک کرتے رہنا ہر طرح سے میرے نگرانی
کرم یا ابّا جیؒ یا شمعِ بزمِ شاہِ جیلانی

فائقؔ بدایونی